ولایت نکاح شریعت کے آئینہ میں

تحریر: شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز علوی

اسلام خالق کائنات کا وضع کردہ ضابطہ حیات اور دستور زندگی ہے' اور انسان کائنات کا ایک جزو ہونے کی بناء پر اسی خالق کی مخلوق ہے اور وہ اپنی مخلوق کے ہنر و کمال' عیب و نقص' مزاج و طبیعت اور حوائج و ضروریات کو مخلوق سے بہتر طور پر جانتا ہے۔ فرمایا "الا یعلم من خلق وھوا للطیف الخبیر" کیا جو خالق ہے وہ اپنی مخلوق سے آگاہ نہیں۔ حالانکہ وہی تو باریک بین اور واقف کار ہے۔ اس لئے خالق کا نازل کردہ دستور العمل اور آئین دین فطرت ہے۔ "فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ" دین فطرت کی پیروی کرو جس پر فاطر فطرت نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی پیدا کردہ چیز کو بدلنا جائز نہیں ہے۔

اسلام چونکہ دین فطرت ہے۔ اس لئے اس کے احکام و فرامین اور ہدایات و تعلیمات میں' انسانی فطرت و مزاج اور اس کی ضروریات کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے اور اسی بناء پر اس کی اساس و بنیاد اعتدال و توسط ہے اور وہ افراط و تفریط سے پاک و صاف ہے اور اس کے وہ احکام و تعلیمات جن کا تعلق دو فریقوں سے ہے وہ افراد و اشخاص ہوں یا گروہ یا جماعات ان دونوں فریقوں کو الگ الگ احکام و ہدایات دی گئی ہیں۔ اور ان میں عام طور پر یہ اسلوب اپنایا گیا ہے کہ ہر فریق کو اس کے فرائض اور ذمہ داریوں کا احساس یوں دلوایا گیا ہے گویا کہ اس کے صرف فرائض اور ذمہ داریاں ہی ہیں۔ کوئی حقوق یا مطالبات بالکل نہیں ہیں۔ اس اصول کے مطابق راعی اور رعایا' آقا اور غلام' آجر اور اجیر' غنی اور فقیر' شوہر اور بیوی' باپ اور اولاد کو ان کے فرائض یاد دلائے گئے ہیں' کیونکہ اس کے بغیر نظم و نسق کا قیام ممکن نہیں ہے اور کوئی معاشرہ صحیح راستہ پر گامزن نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ایسے مواقع پر شریعت کا اصل مقصد اور روح اس وقت تک سمجھنا ممکن نہیں جب تک دونوں قسم کی ہدایات اور احکام پر کامل اور گہری نظر نہ ہو۔ مثال کے طور پر شریعت

کے مندرجہ ذیل احکام پر غور کیجئے۔

۱)۔۔۔ مسئلہ زکوۃ کے دو فریق ہیں۔ معطی، زکاۃ دہندہ اور عامل، زکاۃ کا وصول کنندہ۔ آپ نے زکاۃ ادا کرنے والوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ تمہارے پاس ایسے لوگ آئیں گے جو تمہیں، تمہارے مالوں سے زکاۃ وصول کرنے کی بناء پر اچھے نہیں لگیں گے۔ (فان جاء واکم فرحبوا بهم و خلوا بینهم و بین ما یبتغون، فان عدلوا فلانفسهم و ان ظلموا فعلیهم، وارضواهم فان تمام زکاتکم رضاهم "اگر وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کو خوش آمدید کہو اور ان کے اور ان کی خواہش کے درمیان حائل نہ ہو۔ اگر وہ عدل سے کام لیں گے تو انہیں کا بھلا ہے اور اگر ظلم کریں گے تو وبال انہیں پر پڑے گا" تمہارا کام ان کو خوش کرنا ہے کیونکہ تمہاری زکاۃ کی تکمیل ان کی رضامندی کی صورت میں ہے۔

دوسری طرف زکاۃ وصول کرنے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ "ایاکم و کرائم اموالهم، واتق دعوة المظلوم فانها لیس بینها و بین الله الحجاب" ان کے بہترین اموال نہ لو۔ اور مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ اس کے اللہ تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ نہیں اور فرمایا المعتدی فی الصدقة کمانعها۔ صدقہ کی وصولی میں زیادتی کرنے والا، صدقہ ادا نہ کرنے والے کے حکم میں ہے۔

۲)۔۔۔ نماز کے سلسلہ میں مردوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا "اذا استاذنت امراة احدکم فلا یمنعها" اگر کسی کی بیوی نماز کیلئے مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرے تو وہ اسے منع نہ کرے اور دوسری طرف عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ "ان صلاة احداکن فی مخدعها خیرمن صلاتها فی بیتها۔" تمہارا گھر کی بند کوٹھڑی میں نماز پڑھنا، گھر کی کھلی جگہ میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

۳)۔۔۔ اطاعت امیر کے سلسلہ میں فرمایا: "اسمعوا و اطیعوا وان استعمل

علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبۃ" سنو اور اطاعت کرو۔ اگرچہ تم پر ایسے حبشی غلام کو امیر مقرر کر دیا جائے جس کا سر منقے کی طرح ہے اور فرمایا "السمع و الطاعۃ علی المرء المسلم فیما احب و کرہ" مسلمان کا کام سننا اور ماننا ہے بات اس کو پسند ہو یا ناپسند۔ دوسری طرف حکمران کے سلسلہ میں فرمایا "انکم ستحرصون علی الامارۃ وستکون ندامۃ یوم القیامۃ فنعم المرضعۃ و بئست الفاطمۃ" تم امارت و منصب کی خواہش کرو گے لیکن یہ قیامت کو ندامت و پشیمانی کا سبب بنے گی کیونکہ اس کا آغاز تو بہت اچھا ہے لیکن انجام بہت برا ہے اور فرمایا "مامن عبد یسترعیہ اللہ رعیۃ فلم یحطھا بنصیحۃ الالم یجدرائحۃ الجنۃ" جس انسان کو اللہ تعالیٰ رعایا کی نگرانی اور حفاظت سپرد فرماتا ہے اور وہ ان کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا رویہ نہیں اپناتا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا۔

۴)۔۔۔ اغنیاء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ان للسائل حقا و لوجاء راکبا علی فرس مانگنے والے کا حق ادا کرو' اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر مانگ رہا ہو اور مانگنے والوں سے فرمایا۔ مانگنے والا قیامت کو اسی طرح آئے گا اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہو گا یا اس کا چہرہ خراشوں اور زخموں سے بھرا ہو گا۔

کیا مذکورہ بالا مسائل کو اگر ایک فریق کے بارے میں فرمودہ احکام کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو ان کا صحیح اور درست فہم حاصل ہو سکے گا اور ہم شریعت کے مقصد اور روح کو پا سکیں گے۔ یہی صورت حال نکاح یا شادی کی ہے' اس کا تعلق دو فریقوں سے ہے۔ ولی اور عورت۔ ایک فریق بچی کا باپ ہے۔ جس نے اسے پالا پوسا ہے' اس کی ساری ضروریات کو مقدور بھر پورا کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے تمام اخراجات برداشت کئے ہیں اور اب اس کیلئے (خاوند) تلاش کرنا ہے جس کے ساتھ اس کو زندگی بھر سابقہ پیش آئے گا۔ دوسرا فریق بچی ہے' جسے خاوند کی ضرورت ہے جس کی وہ رفیقہ حیات بنے گی اور ساری عمر اسے اس کے ساتھ گزارنا ہو گی۔ تو کیا شریعت اسلامیہ کا

اعتدال و توسط اس کو گوارا کر سکتا ہے۔ کہ وہ صرف ایک فریق کے جذبات و احساسات کا لحاظ رکھے اور دوسرے فریق کے جذبات کو بالکل نظرانداز کردے۔ ظاہر بات ہے وہ دونوں فریقوں کے جذبات و احساسات کا خیال کرے گا اور دونوں کو ان کے فرائض اور ذمہ داریوں سے آگاہ کرے گا۔ کسی فریق کو من مانی کرنے یا ڈکٹیٹر بننے کی اجازت نہیں دے گا اور اسی میں فریقین کی بھلائی اور بہتری ہے اور اسی بناء پر قرآن مجید میں نکاح کی نسبت دونوں فریقوں کی طرف کی گئی ہے۔

اب قرآن و سنت اور آئمہ دین کے اقوال کی روشنی میں ولایت نکاح کو سمجھنا ہمارے لئے آسان ہوگا۔ آیئے اس کو ذرا تفصیل سے دیکھ لیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی الجامع میں باب قائم کرتے ہیں۔ "باب من قال لا نکاح الا بولی" ان لوگوں کے دلائل جن کے نزدیک ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن الآية فدخل فيه الثيب و كذالك البكر و قال ولا تنكحوا المشركين حتى يومنوا و قال "انكحوا الايامى منكم" اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کرلیں تو ولی ان کو نکاح سے نہ روکیں۔ اس حکم میں شوہر دیدہ کی طرح دوشیزہ بھی داخل ہے۔ دوسری جگہ فرمایا۔ مشرکوں میں اپنی بچیوں کا نکاح نہ کرو جب تک ایمان نہ لائیں اور تیسری جگہ فرمایا شوہر کی محتاج عورتوں کا نکاح کرو۔

ولایت نکاح کے سلسلہ میں تین آیات پیش کرنے کے بعد امام بخاری مندرجہ ذیل روایات لائے ہیں۔

۱)۔۔۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک طویل حدیث پیش کی ہے جس میں جاہلیت کے دور کے معروف و مشہور نکاحوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ان صورتوں میں سے پہلی صورت کے بارے میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ "منها نكاح الناس اليوم يخطب الرجل الى الرجل وليته او ابنته" ان صورتوں میں سے ایک

آج کل کا معروف نکاح ہے کہ ایک انسان کسی عورت کے سرپرست یا باپ کو نکاح کا پیغام دیتا ہے۔ اس کے بعد باقی صورتیں بیان کرنے کے بعد فرماتی ہیں۔ "فلما بعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالحق هدم نکاح الجاهلیة کله الا نکاح الناس الیوم (بخاری شریف ج ۲ ص ۷۷۰) جب محمد ﷺ کو دین حق دے کر مبعوث کیا گیا تو آپ نے آج کے نکاح کے سوا تمام صورتوں کو ختم کر دیا۔

۲)--- دوسری حدیث بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس میں وہ آیت مبارکہ "وما یتلی علیکم فی الکتاب فی یتامی النساء الاتی لا تو تونهن ما کتب لهن و ترغبون ان تنکحوهن" کا پس منظر بیان فرماتی ہیں۔ کہ اس سے مراد وہ یتیم بچی ہے جس کا سرپرست اور وہی ایسا آدمی ہے جو اس کا مال میں شریک اور حصہ دار ہے اور سب سے قریبی ہونے کی بناء پر اس کے نکاح کا ولی بھی وہی ہے اور وہ خود بھی اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے (قبول صورت نہ ہونے کی بناء پر) ساتھ نکاح نہیں کرتا۔ لیکن اس کو آگے نکاح کرنے سے بھی روک دیتا ہے تاکہ اس کا خاوند اس کے مال میں حصہ دار یا شریک نہ بن جائے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ ولی یا سرپرست کا نکاح میں دخل نہ ہوتا تو اس کیلئے ایسا کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اور اس کو ایسا کرنے سے روکنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

۳)--- تیسری روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے جس میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے بیوہ ہونے کا تذکرہ ہے۔ اور اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کے بیوہ ہو جانے کے بعد ان کے نکاح کیلئے ان کے باپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سلسلہ جنبانی شروع کی اور اس کیلئے خود حضرت عثمان اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کو پیش کش کی۔

دوسری روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آخر کار حضرت حفصہ سے نکاح کا پیغام حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر تک پہنچایا۔ براہ راست حضرت حفصہ کو پیغام نہیں آیا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ولی یا باپ کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

۴)۔۔۔ چوتھی روایت حضرت معقل بن یسار کی ہے جس میں وہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی بہن کی شادی ایک انسان کے ساتھ کر دی' اس نے کچھ عرصہ بعد طلاق دے دی اور عدت کے اندر رجوع نہ کیا۔ عدت گزرنے کے بعد پھر میرے پاس آیا اور کہنے لگا اپنی بہن کی شادی میرے ساتھ کر دو تو میں نے جواب دیا۔ میں نے تیری شادی کر کے تیرا گھر آباد کیا۔ تجھے عزت و تکریم بخشی لیکن تو نے اس کا یہ بدلہ دیا کہ اسے طلاق دے دی۔ اب پھر شادی کا پیغام دیتے ہو۔ "لا واللہ لا تعود الیک ابدا۔" نہیں اللہ کی قسم اب کبھی تیرے ساتھ اس کی شادی نہیں کی جائے گی۔ وہ آدمی اچھا تھا اس لئے میری بہن کی خواہش تھی کہ دوبارہ اس سے شادی کر لے۔ میرے انکار کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ "فلا تعضلوھن" ان کو شادی کی اجازت دے دو۔ روکو نہیں۔ تو میں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی "الآن افعل یا رسول اللہ۔" حضور ابھی میں اجازت دیتا ہوں' پھر اس سے شادی کر دی۔

اگر ولی کا اختیار نہ ہوتا تو حضرت معقل انکار نہ کرتے اور نہ ہی خاوند ان کو پیغام دیتا وہ اپنی سابقہ بیوی کو براہ راست پیغام دیتا۔ نیز اس آیت کے اندر یہ ٹکڑا موجود ہے "اذا تراضوا بینھم بالمعروف" جب وہ باہمی رضامندی کا اظہار معروف (عرف و دستور) کے مطابق کریں۔ عرف یہی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں گزر چکا ہے کہ پیغام ولی کو دیا جائے اور وہ اپنی رضا سے شادی کرے۔

ان آیات کو احادیث کی بناء پر جمہور امت کا یہ نظریہ ہے کہ شادی کرنا ولی کا حق ہے اور عورت ولی کی اجازت کی پابند ہے۔ امام ابن منذر لکھتے ہیں کہ "لا یعرف عن احد من الصحابۃ خلاف ذالک" کسی صحابی سے بھی ولی کے بغیر نکاح ہونے کا قول منقول نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۱۸۷)

دکتور وھبہ الزحیلی لکھتے ہیں: "قال الجمھور یزوجھا ولیھا لکن عند الحنابلۃ باذنھا سواء اکانت بکرا ام ثیبا عند المالکیۃ والشافعیۃ اذا کانت ثیبا و بغیر اذنھا اذا

بکرا صغیرۃ ام کبیرۃ الفقۃ الاسلامی وادلتہ" (ج ۷ ص ۱۹۳)

جمہور کے نزدیک عورت کی شادی اس کا ولی کرے گا۔ حنابلہ کے نزدیک عورت دوشیزہ ہو یا شوہر دیدہ اس سے اجازت لے کر کرے گا اور مالکیوں و شافعیوں کے نزدیک شوہر دیدہ ہونے کی صورت میں عورت کی اجازت کی ضرورت ہوگی۔ (بشرطیکہ بالغ ہو اور دوشیزہ بالغہ ہو یا نابالغہ اس کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوگی۔)

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں۔ "لا تملک المراۃ تزویج نفسھا ولا غیرھا ولا توکیل غیر ولیھا فی تزویجھا فان فعلت لم یصح النکاح" عورت اپنی شادی کر سکتی ہے نہ کسی دوسری عورت کی اور نہ ہی اپنی شادی میں ولی کے سوا کسی کو وکیل بنا سکتی ہے۔ اگر ایسا کرتی ہے تو اس کا نکاح نہیں ہوگا۔ صحابہ میں سے حضرت عمرؓ علیؓ عبداللہ بن مسعودؓ عبداللہ بن عباسؓ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم وغیرھم کا یہی قول ہے۔ (المغنی ج ۹ ص ۳۴۵ تحقیق الترکی)

مندرجہ ذیل احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے:

۱۔ لا نکاح الا بولی' ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ امام ابن حبان اور امام حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور بقول امام حاکم امام علی بن المدینی' امام بخاری۔ امام ذھلی وغیرھم نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۱۸۴)

امام ابن قدامہ لکھتے ہیں یہ روایت حضرت عائشہ' ابو موسیٰ اشعری اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ امام مروزی نے امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اسے صحیح قرار دیا۔ (المغنی ج ۹ ص ۳۴۵ تحقیق الدکتور الترکی)

علامہ انور شاہ کشمیری اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔ اعلہ ھھنا مسئلتان' الاولی ان النکاح لا ینعقد الا برضی الولی واجازتہ والیہ ذھب مالک والشافعی و احمد والثانیہ ان

النساء لا اهلية لهن للانكاح فلا ينعقد النكاح بعبارتهن وان اجازه الولی الف مرة فمحصل مذهب الجمهوران رضی الولی مقدم علی رضی المولية و كذا العقد الذی هو عبارة عن الايجاب والقبول لا يصلح الا للرجال فان عقدت النكاح بنفسها لم ينعقد وان رضی به الولی ايضا ذهب صاحبا ابی حنيفة الی اشتراط الولی فقط فالضروری عندهما رضی الولی۔ (فیض الباری ج ۴ ص ۲۸۳)

یہاں دو مسئلے ہیں:

(۱) نکاح ولی کی رضامندی اور اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ مالک شافعی اور احمد کا یہی قول ہے۔

(۲) عورتوں میں نکاح کرنے کی اہلیت نہیں ہے اس لئے ان کے ایجاب و قبول سے نکاح نہیں ہوگا۔ اگرچہ اس کی ہزار دفعہ اجازت ولی نے دی ہو۔ جمہور کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت کی رضامندی پر ولی کی رضامندی کو تقدم اور فوقیت حاصل ہے اس طرح ایجاب و قبول مردوں کا کام ہے۔ اس لئے ولی کی اجازت کے باوجود عورت کے ایجاب و قبول سے نکاح نہیں ہوگا۔ اور امام ابو حنیفہ کے تلامذہ ابو یوسف اور محمد کے نزدیک ولی شرط ہے اس لئے ان کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوگا۔

آگے چل کر لکھتے ہیں۔ مذهب ابی حنيفة ان رضی المولية مقدم عند تعارض الرضاءين مع كونها ماموره بتحصيل رضی الولی و كذا المولی مامور بتحصيل رضائها فلم يستبد به واحد منها فانه امر خطير لا بد فيه من اجتماع الرضاءين (فیض الباری ج ۴ ص ۲۸۳)

ابو حنیفہ کی رائے میں دونوں کی رضامندی میں تعارض کی صورت میں عورت (بشرطیکہ عاقلہ بالغہ ہو) کی رضامندی کو ترجیح حاصل ہوگی لیکن اس کے باوجود وہ ولی کی رضا

حاصل کرنے کی پابند ہے اس طرح ولی بھی اس کی رضا حاصل کرنے کا پابند ہے۔ ان میں سے کوئی بھی ڈکٹیٹر نہیں ہے کیونکہ یہ بڑا اہم اور خطرناک مسئلہ ہے اس لئے دونوں فریقوں کی رضا کا متحد و متفق ہونا ضروری ہے۔

علامہ انور شاہ کا یہ نظریہ شریعت کی روح اور مزاج کے عین مطابق ہے کہ دونوں کی رضا کا حصول ضروری ہے اور ان کی عبارت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھی ولی سے چوری چھپے من مانی کرتے ہوئے شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

اس حدیث پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ولی کی اجازت ضروری ہے لیکن هل اشتراط الاذن لكونه حقاللولی او نظرا الی المولیة فالنظر دائر فیه' فذهب الجمهور الی انه لكونه حقه و ذهب ابو حنیفة انه نظر للمولیة لنقصان عقلهن وسوء فكرهن' فكثیراما لا یهتدین المصلحة ولعدم حمایة الحسب منهن غالبا' فربمار غبن فی غیر الكفء و فی ذالك عارلقومها فا شتراط الاذن لتسدالمفسدة (فیض الباری ج ۴ ص ۲۸۷)

کیا ولی کی اجازت کی شرط ولی کا حق ہونے کی بناء پر ہے یا عورت کی عزت کی حفاظت کی خاطر اس میں اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک ولی کا حق ہونے کی بناء پر اور ابو حنیفہ کے نزدیک زیر ولایت کی مصلحت کی بناء پر کیونکہ عورتوں میں عقل کم ہے اور سوئے فکری ہے عام طور پر انہیں اپنی مصلحت کا پتہ نہیں چلتا اور وہ عام طور پر اپنے نسب و حسب کی پرواہ نہیں کرتیں اور بعض دفعہ غیر کفو کی طرف مائل ہو جاتی ہیں اور یہ چیز قوم کیلئے عار اور شرم کا باعث بنتی ہے۔ اس لئے اس خرابی و فساد کی بندش کی خاطر ولی کی اجازت کو شرط قرار دیا گیا ہے۔

حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ اپنی بے مثال معروف و مستند اول کتاب حجۃ اللہ میں لکھتے ہیں:

اعلم انه لا يجوزان يحكم فى النكاح النساء خاصة' لنقصان عقلهن وسوء فكرهن فكثيرا مالا يهتدين الى المصلحة ولعدم حماية الحسب منهن غالبا فربما رغبن فى غيرالكفوء و فى ذالك عارعلى قومها فوجب للاولياء شيئى من هذا الباب لتسد المفسدة و ايضا السنة الفاشية فى الناس من قبل ضرورة جبلية ان يكون الرجال قوامين على النساء يكون بيدهم الحل و العقد و عليهم النفقات وانما النساء عوان بايديهم وهو قوله تعالى للرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض و فى اشتراط الولى فى النكاح تنويه بامرهم واستبداد النساء بالنكاح وقاحة منهن منشوها قلة الحياء واقتضاب على الاولياء و عدم اكتراث لهم و ايضا يجب ان يميز النكاح من السفاح بالتشهيرواحق التشهير ان يحضره اولياؤها و قال صلى الله عليه وسلم لا تنكح الثيب حتى تستامر ولا البكر حتى تستاذن و اذنها الصموت و فى رواية البكريستا ذنها ابوها' اقول لا يجوزا يضا ان يحكم الاولياء فقط فانهم لايعرفون ماتعرف المراة من نفسها ولان دار العقد و قار راجع اليها حجة الله البالغة (ج ٢ ص ١٢٧)

جان لیجئے۔ نکاح کے بارے میں صرف عورتوں کو حکم قرار دینا روا نہیں ہے کیونکہ وہ عقل میں کوتاہ ہیں۔ سوئے فکری کا شکار ہوتی ہیں اور عام طور پر مصلحت و حکمت تک رسائی حاصل نہیں کرپاتی اور عام طور پر نسب کی حمیت سے خالی ہونے کی بناء پر غیرکفو میں دلچسپی لینے لگتی ہیں اور یہ چیز انکی قوم کیلئے باعث شرم و عار بنتی ہے۔ اسلئے ضروری ہے

نکاح کے سلسلہ میں اولیاء کے دخل کو اہمیت دیجائے تاکہ فساد اور بگاڑ کا راستہ بند ہو جائے۔ نیز ایک طبعی و جبلی ضرورت کی بناء پر لوگوں کا عام رویہ ہے کہ مردوں عورتوں کے نگران و نگہبان ہیں۔ حل و عقد کے ذمہ دار وہی ہیں اور وہی اخراجات برداشت کرتے ہیں۔

عورتیں تو ان کے ماتحت یا زیردست ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان اسی پر دلالت کرتا ہے کہ مرد عورتوں کے نگران اور محافظ ہیں۔ اس فضیلت و برتری کی بناء پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو بخشی ہے اور نکاح میں ولی کی شرط لگانا ان کو اہمیت دینا اور ان کے مقام کی برتری کو تسلیم کرنا ہے اور عورتوں کا بذات خود نکاح کرنا ان کی بے شرمی اور بے حیائی کی دلیل ہے جس کا منبع و سرچشمہ حیاء و شرم کی کمی۔ اولیاء کے حق کو ختم کرنا اور ان کو اہمیت نہ دینا ہے۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ نکاح اور زنا میں امتیاز قائم کرنے کیلئے اس کی تشہیر کی جائے اور تشہیر و تشہیر کی بہترین صورت یہ ہے کہ اولیاء موجود ہوں اور حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے شوہر دیدہ کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر نہ کیا جائے اور نہ ہی دوشیزہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کیا جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموشی اختیار کرلینا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ دوشیزہ سے اس کا باپ اجازت لے۔ میں کہتا ہوں نکاح میں صرف اولیاء کو حکم قرار دینا اور ان کی بات کو حرف آخر قرار دینا بھی درست نہیں ہے کیونکہ عورت اپنے بارے میں جو کچھ جانتی ہے وہ نہیں جان سکتے اور اس لئے بھی کہ نکاح کا نقصان و نفع انہیں ہی برداشت کرنا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ کی عبارت سے بھی یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اعتدال و توسط کو اختیار کرنا' اس بات کو لازم ٹھہراتا ہے کہ ولی اور عورت میں سے کسی کو بھی کلی آزادی حاصل نہیں۔ دونوں ہی ایک دوسرے کے جذبات و احساسات کو ملحوظ رکھنے کے پابند ہیں اور باہمی رضامندی سے اس فریضہ کو سرانجام دے سکتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی دوسرے کا حق مارنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کبھی ایسی صورت حال پیش آجائے تو معاملہ عدالت میں پیش کیا جائے گا اور وہ

زیادتی کرنے والے فریق پر قدغن عائد کرے گی۔

۲)۔۔۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ایما امراۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل باطل باطل جس عورت نے بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا۔ اس کا نکاح نہیں ہوگا' نہیں ہوگا' نہیں ہوگا۔

اس کو امام ابو عوانہ' ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے (ارواء الغلیل ج ۶ ص ۲۴۳)

حدیث میں ایما کا لفظ عام ہے جو ثیبۃ اور باکرہ' شوہر دیدہ اور کنواری دونوں کو شامل ہے۔ جس سے ثابت ہوا۔ دونوں ہی ولی کی اجازت کے پابند ہیں۔

اس کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ' حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت جابر کی مرفوع روایات بھی ولی کی اجازت پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن ان میں سند کی رو سے کلام ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابو ہریرہ کی موقوف روایت سندا صحیح ہے۔ تفصیل کیلئے ارواء الغلیل دیکھئے۔

۳)۔۔۔ حضرت عکرمتہ بن خالد بیان کرتے ہیں کہ ایک رستہ میں ایک قافلہ کے لوگ اکٹھے ہوئے تو ان میں سے ایک بیوہ عورت نے ولی کے سوا کسی اور مرد کو وکیل بنا کر نکاح کر لیا۔ فبلغ ذالک عمر فجلد الناکح والمنکح ورد نکاحھا رواہ الشافعی و الدار قطنی اس کی خبر حضرت عمر تک پہنچی تو انہوں نے نکاح کرنے والے اور نکاح کرانے والے دونوں کو کوڑے لگائے اور نکاح کو ختم کر دیا۔ علامہ البانی نے اس حدیث کے راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے' لیکن کہا ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے۔ (نیل الاوطار ج ۶ ص ۱۲۷)

۴)۔۔۔ امام شعبی بیان کرتے ہیں۔ ما کان احد من اصحاب النبی ﷺ اشد فی النکاح بغیر ولی من علی کان یضرب فیہ رواہ الدار قطنی۔ نیل الاوطار (ج ۶ ص ۱۲۷)

نبی اکرم ﷺ کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی بغیر ولی کے نکاح کرنے کی صورت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ سختی نہیں کرتا تھا۔ وہ اس سلسلہ میں کوڑے مارتے تھے۔ آیات، احادیث اور اقوال ائمہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی ہے کہ نکاح کے سلسلہ میں فریقین کی رضا کا لحاظ ضروری ہے اور کوئی عورت شوہر دیدہ ہو یا کنواری اپنے ولی یا سرپرست کی اجازت اور رضا کے بغیر شادی نہیں کر سکتی اور حالات حاضرہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ولی کی اجازت کو ضروری ٹھہرایا جائے۔ اگر اس پابندی کو ختم کر دیا گیا تو اس مادر پدر آزادی کے دور میں جب کہ عریانی و فحاشی، تہذیب و ثقافت قرار پائی۔ دین سے دن بدن دوری اختیار کی جا رہی ہے اور اولاد، والدین کے کنٹرول سے آزادی حاصل کرنا اپنا حق خیال کرتی ہے۔ کسی بھی دیندار اور شریف خاندان کی عزت و ناموس پامال ہونے سے نہیں بچ سکے گی اور نئی تہذیب کا دلدادہ کوئی خاندان سر اٹھا کر نہیں چل سکے گا۔ خاندان کا شیرازہ بکھر جائے گا اور ہم بھی انہیں معاشرتی مسائل کے بھنور میں گھر جائیں گے۔ جن میں مغربی معاشرہ ڈوب رہا ہے جسکی ایک جھلک امریکی خاتون اول مسز ہیلری کلنٹن کے مندرجہ ذیل بیان میں دیکھی جا سکتی ہے۔ امریکن خاتون اول مسز ہیلری کلنٹن اسلام آباد کالج فار گرلز کی اساتذہ و طالبات کے ساتھ گھل مل گئیں اور ان سے ایک گھنٹے سے زیادہ بے تکلفانہ گفتگو کی۔ ہیلری کلنٹن نے طالبات سے انکے مسائل دریافت کیے۔ طالبات نے دوستانہ انداز میں کلنٹن کی اہلیہ کو سب مسائل بتائے۔ فورتھ ایئر کی طالبہ نائلہ خالد نے امریکی خاتون اول سے پوچھا کہ امریکی طالبات کا بنیادی مسئلہ کیا ہے؟ اس پر امریکہ کی خاتون اول نے کھل کر گفتگو شروع کی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی طالبات کا مسئلہ تعلیم کی مناسب سہولیات کا فقدان ہے۔ تعلیمی اداروں میں فنڈز کی کمی کا مسئلہ ہے۔ مگر امریکہ میں ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہاں بغیر شادی کے طالبات اور لڑکیاں حاملہ بن جاتی ہیں۔ اسطرح بیچاری لڑکی ساری عمر بچے کو پالنے کی ذمہ داری نبھاتی ہے۔ ایک دوسری طالبہ وجیہہ جاوید نے کہا کہ اس مسئلہ کا حل کیا ہے؟ اس پر ہیلری کلنٹن نے کہا کہ اس مسئلہ کا حل یہ ہے کہ نوجوان لڑکے لڑکیوں کو خواہ عیسائی ہو یا مسلمان اپنے مذہب اور معاشرتی اقدار سے

باقی صـ۲۵ پر